P. O. RGD. No. A 922

ہماری زبان

انجمن ترقی اردو (ہند) علیگڈھ کا پندرہ روزہ اخبار

قیمت فی پرچہ دو آنے | سالانہ چندہ دو روپے

جلد ۱۱ | ۱۵ جون سنہ ۱۹۵۲ع | ایڈیٹر۔ قاضی عبدالغفار | ۲۱ رمضان المبارک ۱۳۷۱ ہجری | نمبر ۱۰

کچھ اپنی باتیں

لسانی قتل عمد!

حال ہی میں مسٹر سری پرکاش نے مدراس میں تقریر کرتے ہوئے ہندی زبان کے "قتل عمد" کا ذکر کیا تھا۔ اگر ہندی کو ملک کی قومی زبان بنانا ہے تو ہمیشہ اندیشہ ہے کہ وہ سخت تنقید سے بچ نہیں سکتی۔ آپ ایسی تنقید کو گوارہ کرنا ہوگا۔ لیکن کوئی وجہ نہیں کہ کیوں صحیح اور اچھی ہندی زبان کو رائج کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔ برخلاف اسکے بعض اشخاص جو ہندی زبان (یا اردو) سے پوری طرح واقف ہیں اسکو صحیح طریقہ پر بولنے کی پروا نہیں کرتے۔ ان لوگوں کے معاملہ میں یہہ لسانی "قتل عمد" ہو رہا ہے ہندی زبان کے وطن اتر پردیش کی لیجسلیٹو اسمبلی میں جو عمل ہو رہا ہے وہ ہمیں اس وقت یاد آرہا ہے۔ ایک دوسری ضرورت سے ہم اتر پردیش اسمبلی کی ایک کمیٹی کی روئیداد پڑھ رہے تھے۔ اس روئیداد کے ۲۰ صفحات میں خود اسکے وطن ہی میں ہمیں ہندی زبان کے قتل عام کی ایک نمایاں تصویر نظر آتی ہے کمیٹی کے چیرمین ہرگوبند پنت نے جلسے کا افتتاح کرتے ہوئے ہندی میں تقریر کی۔ انگریزی کے الفاظ "نوٹ" "کمیٹی" وغیرہ تو ہندی میں استعمال ہوتے ہی ہیں لیکن بلاشبہ ہندی زبان میں۔ ایسے الفاظ کے مترادفات کی کمی نہیں ہے جیسے کہ "ایکشن" "پٹ اپ" (put up) (involved) (legal aspects) (consider) (arise) (compliance) (seek) (advice) وغیرہ ہیں۔ مگر اس روئیداد کی ۲۰ سطروں سے کم میں یہہ سب انگریزی الفاظ آتے ہیں کمیٹی کے ایک رکن مسٹر گوپال نرائن سکسینہ تو اور بھی آگے بڑھ گئے۔ نمونتاً انکی تقریر کا ایک فقرہ دیکھیئے :-

"اب سوال یہہ رہا جاتا ہے وہ "پوائنٹ" (point) آپ "ریفر" (refer) کریں "نہرو بمبئی گورنمنٹ" (through Bombay Government") کہ بجائے دریافت کیا جائے کہ وہ "نیوز" (news) کس نے دی اور اسکے

خلاف "ڈایرکٹلی پروسیڈ" ("directly proceed") کریں۔ اسی فقرے کے بعد کے فقرے میں یہہ الفاظ بھی استعمال کئے گئے ہیں :-

objectionable, defamatory, breach of privilege, action, grounds, strong.

کمیٹی کے چیرمین صاحب اور ایک قدم آگے بڑھ کر فرماتے ہیں کہ " کیس (case) تو کلیر (clear) ہے۔

ایک دوسرے ممبر نہال الدین صاحب فرماتے ہیں :

(۱) " قابل اعتراض پورشن (portion) "

(۲) "منسٹریل بنچز (ministerial benches) سے اپنے لئے گائیڈنس (guidance) سیک (seek) نہیں کی "

(۳) " انہوں نے اسپیکر (speaker) ایلکٹ (elect) ہونے سے پہلے کانگریس جاین (join) کی تھی "

(۴) ہم لوگوں نے انہیں اپنے نان پارٹی مین اسپیکر ایلکٹ (as a non party man speaker elect) کیا

(۵) ارٹیکل (article) کا پہلا سنٹنس (sentence)

(۶) پیرگراف (paragraph) انکرکٹ (incorrect) ہے۔

(۷) پورشنس (portions) ڈیفےمیٹری (defamatory) ہیں۔

(۸) ڈیسیشن (decision) انکے خلاف انفورس (enforce) کرسکتے ہیں۔

چیرمین صاحب اپنی تقریر میں نہ صرف بار بار "ان دی مین ٹیم" ('in the mean time") کا ورد کرتے ہیں بلکہ انکو اسٹڈی (study) ایکسپلینیشن (explanation) اورجنل پیپرس (original papers) انسسٹ (insist) کلیری فائی (clarify) اور ڈیلے (delay) کے ہندی مترادفات بھی میسر نہیں آتے۔

ایک تیسرے ممبر صاحب مسٹر ہری لال اگروال بھلا کسی سے پیچھے کیوں رہتے۔ فرماتے ہیں:-

"ہماری ریکویسٹ (request) کو ایک ٹکنیکل پوائنٹ (technical point) کی بنا پر ٹرن ڈاون (turn down) کیا ہے۔"

روئداد کے ان اقتباسات سے اس ہندی زبان کا کافی اندازہ ہوتا ہے جو اترپردیش کی اسمبلی کے اراکین بولتے ہیں۔ زبانیں مصنوعی نہیں بنائی جاسکتیں انکا ارتقا قدرتی ہوتا ہے یہہ غیر ملکی الفاظ جنہیں یہہ اصحاب استعمال کرتے ہیں زبان کو تمسخر انگیز بنادیتے ہیں۔

(ہندستان ٹائمز)

[اگر اترپردیش میں ہندی زبان کی ترقی یہی ہے تو جمہوریتا تندیبی کی ریاست بڑا نام پیدا کریگی۔ آردو کے سر پر تو یہہ الزام ہے کہ اسمیں فارسی کے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں۔ لیکن اب اس ہندی کے متعلق کیا عرض کیا جائے جسکا نمونہ ٹنڈن جی کا صوبہ پیش کررہا ہے!— (ہماری زبان)]

جامعہ عثمانیہ۔ حیدرآباد

جس وقت سے اعلان ہوا ہے کہ مرکزی حکومت حیدرآباد کے جامعہ عثمانیہ کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیگی ہر قسم کی آوازیں ہر طرف سے بلند ہورہی ہیں۔ جو لوگ یہہ چاہتے ہیں کہ تعلیم و تدریس میں علاقائی زبانوں اور خصوصاً اردو پر ہندی کو تفوق حاصل رہے وہ تو اس اعلان کے اس پہلو کو پسند کرتے ہیں کہ اب مرکزی یونیورسٹی کی حیثیت سے جامعہ عثمانیہ کو آردو کے بجائے ہندی کی یونیورسٹی بنادیا جائیگا۔ جو لوگ علاقائی زبانوں اور خصوصاً تلنگی زبان کے زیادہ حامی ہیں وہ اس تجویز سے ناراض ہیں اس لئے کہ وہ جامعہ عثمانیہ کو علاقائی زبانوں کی یونیورسٹی بنانا چاہتے ہیں۔

رہے وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ جب تمام علاقائی زبانوں کی ایک ایک یونیورسٹی ضرور

قایم کی جائینگی تو پھر ہر ایسی یونیورسٹیوں میں ایک تو آردو زبان کی یونیورسٹی بھی ضرور ہوگی لہذا پھر کیوں اس بنی بنائی یونیورسٹی کو جس پر کروڑوں روپیہ خرچ ہوچکا ہے توڑ پھوڑ کر کسی اور زبان کی یونیورسٹی بنایا جائے آسے اپنی جگہ پر کیوں نہ قایم رکھا جائے اور علاقائی زبانوں کی ایک نئی یونیورسٹی کیوں نہ قایم کی جائے لیکن ان آردو والوں کی بات اجکل کسی گوشہ میں بھی سنی نہیں جاتی اس لئے کہ اترپردیش سے دکھن تک یہہ جذبہ کارفرما ہے کہ آردو چونکہ ہندی کے راستے میں حایل ہے اس لئے آسے ختم ہی کردو۔

شاید ہمارے لیڈروں کو یاد ہو کہ زبان کے مسئلہ پر مہاتما گاندھی کا ایک نقطہ نظر یہہ بھی تھا جس پر وہ اپنی عمر کے آخری وقت تک قائم رہے ۔ گویا کہ اب کانگریس کے حلقوں میں نمایاں رجحان یہہ ہے کہ مہاتما گاندھی اگلے وقتوں کے لوگ تھے اور تقسیم اور آزادی کے بعد انکی بات اب پرانی ہوگئی ہے لیکن کچھہ اللہ کے بندے اب بھی ایسے ہیں جو یہہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ "باپو" کی نظر بہت دور تک جاتی تھی اور انہوں نے عوامی ہندی کو جو آردو ہی کی ایک شکل ہے اس لئے قومی زبان بنانا چاہا تھا کہ وہ ٹنڈن جی کی سنسکرت زدہ ہندی کو عوامی زبان نہیں سمجھتے تھے۔ انہوں نے آردو اور ہندی کے درمیان تصادم کے امکانات کو ختم کرنے کے لئے یہہ تجویز بھی پیش کی تھی کہ ہندستانی کے لئے دونوں رسم الخط اختیار کئے جائیں اور قومی زبان کی تعلیم حاصل کرنے والوں کو یہہ آزادی دی جائے کہ وہ جس رسم الخط کو چاہیں یا اگر چاہیں تو دونوں رسم الخط اختیار کریں۔ لیکن بدبخت گوڈسے نے متحدہ قومیت کے آس تصور کو جو "باپو" کا تصور تھا قتل کرڈالا اور بڑی بدنصیبی یہہ ہوی کہ جو لوگ "باپو" کے ماتم میں اشکبار ہوئے وہ یہہ بات بالکل بھول گئے کہ "باپو" نے جو ورثہ چھوڑا ہے آسکی حفاظت بھی انہیں کرنی ہے۔ اقتدار کی "دولتشہ" نے انکے دل و دماغ پر قبضہ کرلیا اور تقسیم کے معنے وہ صرف اتنے ہی سمجھے کہ ہندوستان کی اکثریت کے لیڈروں کو بڑے بڑے عہدے مل جائیں ـــ وہ مل گئے! پانچ سال تک آن عہدوں کے اقتدار نے ہمارے ملک کی آزادی کا اگر کوئی مضبوط قلعہ بنایا ہے تو ابھی آسکے دیوار و در ہمیں تو نظر نہیں آتے۔ ملک کا ہر بڑا مسئلہ ہنوز فیصلہ کا محتاج ہے۔ وہی حال زبان کے مسئلہ کا ہے۔ ہندی قومی زبان قرار پائی اور آردو کے بجائے ایک ہی رسم الخط تجویز ہوا لیکن ہندی سرکاری زبان بنکر ہندی نہ رہی وہ بھی کچھہ اور ہی ہوگئی!

گاندھی کی ایک مستند سوانح عمری اجکل شایع ہورہی ہے کاش کہ اسمیں یہہ بھی لکھا جاتا کہ مہاتما نے تنہا وفات نہیں پائی بلکہ آن کے ساتھہ اور بھی بہت کچھہ ایسا ہو مر گیا گوڈسے کے پستول کی گولی جب انکے سینہ میں اتری تو وہ ہندستان کی متحدہ قومیت کے سینہ کے پار بھی ہوگئی۔ جواہرلال نہرو کی طرح جو لوگ ان زخموں پر مرہم لگانے دوڑے انہیں مرہم ہی میسر نہ آیا!

حکومت کے اقتدار سے اب بھی بہت کچھہ کام لیا جاسکتا ہے اگر قوت آزادی کا سرمایہ کم نہ ہو۔ پانچ برس تک اب کانگریس کو ووٹ کی ضرورت نہیں اس لئے اسکا راستہ کچھہ مشکل نہیں اور رجعت پسندوں کی مخالفت کا اندیشہ بھی باقی نہیں رہا لیکن اگر خود کانگریس پارٹی کے اندر رخنے ہیں تو پھر آسکا کیا علاج۔

زبان کے مسئلہ کا ایک اہم پہلو جامعہ عثمانیہ

بھی ہے۔ اگر اردو کے اس ادارے کو مرکزی حکومت اپنی نگرانی میں رکھنے کا فیصلہ کر چکی ہے تو کیوں وہ اس ادارے کو دونوں رسم الخط کے ساتھہ ہندی (یا ہندستانی) کے لئے مخصوص نہ کر دے اور اسطرح مہاتما گاندھی کے تخیل کی یہہ یادگار جامعہ عثمانیہ کی صورت میں قایم رکھی جائے۔ مہاتما جی کی سمادھی پر ازراہ عقیدت ہاتھہ جوڑ کر اور آنکھیں بند کر کے سر جھکانے کے بجائے اگر عملی طور پر مہاتما جی کے نظریات کا کچھہ احترام کیا جائے تو شاید وہ ہمارے ملک کے لئے سمادھی کی یاترا سے زیادہ مفید ہو سکے!

ہماری تمنا ہے کہ حکومت ہند اس مسئلہ کے متعلق مہاتما گاندھی کے نقطہ نظر پر غور کرے اور عثمانیہ یونیورسٹی کو ہندی یونیورسٹی بنانے کے بجائے دونوں رسم الخط کے ساتھہ ہندستانی یونیورسٹی بنا دے اور ہندستانی ہی کو ذریعہ تعلیم قرار دے اس طرح سمجھدار اردو اور ہندی والے یقیناً مطمئن ہو جائینگے رہے ہندی کے وہ انتہا پسند حامی، جو اردو یا ہندستانی کا نام ہی سننا نہیں چاہتے تو ایسے انتہا پسند تو ہر حال میں اپنی کہے جائینگے اور دوسرے کی سنینگے نہیں۔ کب تک کسی ترقی پسند حکومت کی پالیسی ان غوغائی عناصر کے شور و غوغا کی ماتحت رہیگی؟

"ہندستانی"

—:0:—

ہلکے ہلکے اشارے

سنسکرت پرسار کمیٹی کے سکریٹری سنسکرت کی لازمی تعلیم پر زور دیتے ہوئے "نیشنل ہیرلڈ" میں لکھتے ہیں کہ:-

"اترپردیش کی حکومت میں اس مسئلہ کے متعلق دو مختلف عناصر کام کر رہے ہیں۔ ایک بھارتیہ ایک ابھارتیہ۔ بھارتیہ کا رجحان یہہ ہے کہ ایک مضبوط بنیاد پر ہندی اور سنسکرت کو ترقی دی جائے۔ لیکن ابھارتیہ پارٹی ہندی اور سنسکرت کی کمر توڑنے پر آمادہ ہے۔ غلط یا صحیح بہت سے لوگ یہہ سمجھتے ہیں کہ اترپردیش کی حکومت کے محکمہ تعلیم میں ابھارتیہ پارٹی کا زور ہے اور بھارتیہ پارٹی کو اس سے دبنا پڑتا ہے"

اگر ہمارے صوبہ کی ابھارتیہ پارٹی یہہ ہی ہے جو ہندی اور سنسکرت کی کمر اس طرح توڑ رہی ہے کہ آپ اردو زبان کے وجود ہی سے انکار ہے تو خدا جانے پھر بھارتیہ پارٹی ہندی اور سنسکرت کی حمایت میں اور کونسا کارنامہ انجام کرنا چاہتی ہے۔ اگر سمپورنانند جی صرف ابھارتیہ ہیں تو پھر

امتحان اور بھی باقی ہو تو وہ بھی نہ سہی

بھارتیہ کے لئے اتنی ہی بات تو باقی رہ گئی ہے کہ اترپردیش میں اردو زبان بولنا بھی جرم ناقابل ضمانت قرار دیدیا جائے!!

—:0:—

—بھوپال کے ایک ممتاز وکیل مسٹر شری لال نے جو وکلا کی انجمن کے سکریٹری بھی ہیں بھوپال کے وزیر اعظم سے مطالبہ کیا ہے کہ اردو زبان کو جو بھوپال کی علاقائی زبان ہے قومی اور سرکاری زبان قرار دیا جائے۔

لیجئے یہہ "علاقائی" کا شاخسانہ وہاں بھی پیدا ہوا اور وہاں یہہ مطالبہ شروع ہوتا ہے ایک شری لال صاحب کی طرف سے کسی عبدالرحیم یا خدابخش کی طرف سے نہیں!

—جواب اس مطالبہ کا جو کچھہ ہوگا وہ تو ظاہر ہے لیکن اگر شری لال جی کہیں اترپردیش میں ہوتے تو ہم انکو بتاتے کہ ایسے مطالبوں کا کیا جواب ہوتا ہے بھوپال کے وزیر اعظم بھی اگر ٹنڈن جی یا سمپورنانند کے پیر بھائی ہیں تب تو شری لال جی کو کافی جواب مل جائیگا۔ ان سے کہا جائیگا کہ اس نام کی کوئی زبان ہندستان میں ہے کہاں!!

—:0:—

—سنا گیا ہے کہ پاکستان کے علمائے کرام نے حسرت موہانی کی ایک غزل پر اعتراض کر کے آپ ایم۔ اے کے نصاب سے خارج کرا دیا ہے یہہ غزل حسرت کی مشہور غزل ہے جسکا مطلع یہہ ہے کہ

چپکے چپکے رات دن انسو بہانا یاد ہے
ہمکو اب تک عاشقی کا وہ زمانہ یاد ہے

—کسی زمانہ میں ایک ایسے ہی مظلوم شاعر نے سوال کیا تھا کہ

شعر مرا بہ مدرسہ کہ برد؟

—پاکستان کے علمائے کرام کو اقبال کے کلام میں کچھہ ترمیم کرنی ہی پڑیگی ورنہ انکا "اسلامستان" ناقص رہ جائیگا"

علاقائی زبان کے سلسلہ میں جنرل سکریٹری کا ایک اہم بیان

۱۰ مئی کی اشاعت میں اخبار سیاست (کانپور) نے مولانا اسحاق علی صاحب کنوینر موتمر آردو کانپور کا ایک بیان شایع کیا ہے۔ میں نے اس بیان کے نمایاں گوشوں پر پوری طرح غور کیا اور اب میں ضروری سمجھتا ہوں کہ مرکزی انجمن ترقی آردو کی علاقائی تحریک کی حد تک اس بیان کے جو اجزا توجہ طلب ہیں ان کی نسبت اپنے تاثرات ظاہر کر دوں۔

تقریباً ۶ ماہ پہلے موتمر آردو نے دستخط حاصل کرنے کی جو تحریک شروع کی تھی وہ کم و بیش وہی تھی جو انجمن کی تحریک تھی۔ اس وقت جب مولانا اسحاق علی صاحب کو ہم شرکت کار پر کسی طرح آمادہ نہ کر سکے تو ہم نے یہہ طے کیا کہ موتمر کی تحریک سے انجمن کی تحریک کا تصادم نہ ہونے پائے چنانچہ انجمن کی تمام شاخوں کو ہدایت کردی گئی کہ وہ دونوں تحریکوں میں تصادم کا کوئی امکان پیدا نہ ہونے دیں اور ایسا ہی ہوا کہ بعض اضلاع میں چند روز تک یہہ تحریکیں ایک وقت بغیر کسی تصادم کے جاری رہیں۔

پھر ہم نے دیکھا کہ موتمر کی تحریک سست ہوگئی۔ اسی زمانہ میں انجمن نے فیصلہ کیا کہ لکھنو میں ایک عارضی علاقائی کمیٹی مقرر کر کے یہہ کام زیادہ منظم طریقہ پر اور زیادہ طاقت سے پورے صوبے میں کیا جائے۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں علاقائی کمیٹی کی جد و جہد نے اس تحریک کی رفتار کو بہت تیز کردیا اور نتایج حسب دلخواہ حاصل ہونے لگے۔

اب یکایک علی صاحب کے ایک اخباری بیان سے یہہ اطلاع ملتی ہے کہ موصوف اب پھر موتمر کی تحریک کو زندہ کر رہے ہیں۔ آنھوں نے اپنے بیان میں دو باتیں واضح کی ہیں:-

(۱) اول یہہ کہ دستخطوں کے حاصل کرنے کی مہم کو تیز کیا جائے۔ اور (۲) دوم یہہ کہ اگر حکومت دستخطی عرضداشت پیش کرنے کے بعد بھی آردو زبان کے متعلق اپنی پالیسی کو ترک نہ کرے تو پھر عدم تعاون اور سول نافرمانی کی تحریک شروع کی جائے۔ اس میں آترپردیش کے بعض وزرا کے مکانوں پر پکیٹنگ کرنے کا پروگرام بھی شامل ہے۔

اس بیان میں سول نافرمانی اور عدم تعاون کا ذکر علی صاحب نے اس قدر تیز و تند لہجے میں کیا ہے جسکا ایک دستوری تحریک میں کوئی محل اور مقام نہیں۔ ایک ہی پروگرام کے اندر دستوری کارروائی کرنے کا اعلان اور ساتھ ہی سول نافرمانی اور عدم تعاون کی دھمکی ایک بے جوڑ سی بات ہے۔ یہہ دونوں باتیں ہم آہنگ نہیں ہوتیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا یہہ فرض کرلیا گیا ہے کہ ہماری دستوری اور آئینی تحریک ناکام ہوگی۔ پروگرام کے ان متضاد اجزا کی ترکیب ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے:-

قبل از مرگ واے ویلا!

سب سے پہلے تو یہہ دیکھنا چاہیئے کہ اس بیان میں جو پروگرام پیش کیا گیا ہے اس کے دو مختلف اجزا ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ دفعہ ۳۴۷ کی کارروائی کا تعلق صدر جمہوریہ اور آن کے دستوری اختیارات سے ہے۔ اس کا صوبہ کی حکومت سے کوئی تعلق نہیں۔ لیکن موتمر کے پروگرام کا دوسرا جزو کلیتاً ریاستی حکومت کے متعلق ہے۔ اگر عرضداشت کی نامنظوری کے بعد سول نافرمانی کا کوئی پروگرام پیش کر کے ناواقف عوام کے جذبات میں قبل از وقت ہیجان پیدا کرنا مقصود ہے تو پھر سول نافرمانی کے پروگرام کا تعلق مرکزی حکومت سے ہونا چاہیئے۔ اس بات میں کوئی منطقی توازن نہیں کہ عرضداشت تو نامنظور کریں صدر جمہوریہ اور سول نافرمانی شروع کی جاے ریاستی حکومت کے خلاف! لہذا اگر ریاستی حکومت ہی کے خلاف یہہ کارروائی کرنا ہے تو پھر ۳۴۷ کی کارروائی اور دستخطوں کی تحریک کو موتمر کے پروگرام سے خارج کردینا چاہیئے۔ ایک ہی کمان میں سے بیک وقت یہہ دو تیر نہیں چلائے جاسکتے!

چونکہ علی صاحب کے اس بیان کو انجمن کی تحریک کے مخالفین اس تحریک کے خلاف استعمال کرنے کی کوشش کرینگے اس لئے میں نے ضروری سمجھا کہ میں پھر ایک دفعہ اس امر کی وضاحت کردوں کہ انجمن ترقی آردو کی تحریک کا تعلق صرف دستور کی دفعہ ۳۴۷ سے ہے اور انجمن کی یہہ سوچی سمجھی ہوئی راے ہے کہ اس تحریک کی آخری منزل تک ہمیں

دستور کی حدود کے اندر ہی رہنا چاہئے اور تحریک کی دستوری بغیر کسی معقول وجہ کے جذباتی اور ہنگامہ خیز نہ بنانا چاہیئے۔

مجھے اندیشہ ہے کہ موتمر کے پروگرام کا یہہ جذباتی پہلو انجمن کی تحریک کے لئے مضر ثابت ہوسکتا ہے اگر ہماری تحریک کے مخالفین جھنجلا کر یہہ کہکر بھکائیں کہ اسی دستوری تحریک کے پردے میں کچھہ گرم جذبات ہیں جنکا مظاہرہ کانپور میں موتمر کے نام سے کیا جا رہا ہے۔

میں مرکزی انجمن کی تمام شاخوں اور علاقائی تحریک کے کارکنوں کو اطلاع دینا چاہتا ہوں کہ انجمن موتمر کے پروگرام کے دوسرے جزو سے بالکل بے تعلق ہے اور اس کو اردو زبان کے بہترین مفاد کے خلاف سمجھتی ہے۔ پھر بھی مرکزی انجمن کی شاخیں باوجود اس اختلاف کے موتمر سے تصادم کا کوئی موقع پیدا نہ ہونے دیں اور اپنی حد تک صرف دستخطوں کے مہم کو پورے جوش کے ساتھہ جاری رکھیں اور کامیاب بنائیں۔ غوغائی جذبات کے مظاہروں سے زیادہ اس وقت ضرورت محنت، تنظیم اور اتحاد کی ہے۔ اگر بعض گوشوں میں انجمن کو ہدف تعریض بنایا جائے تب بھی انجمن کے کارکنوں کو ایسے اعتراضوں اور نکتہ چینیوں سے بے پروا ہو کر صرف اپنے کام پر توجہ کرنی چاہئے اور معترضین کو جواب دینے میں اپنا وقت ضایع نہ کرنا چاہئے جو لوگ ہماری مہم کو ہدف تعریض بنا کر یا انجمن کی تنظیم پر اعتراض کر کے اسوقت آگے آنا چاہتے ہیں وہ درحقیقت اردو زبان کے دوست اور حامی نہیں ہیں۔ میرا عقیدہ ہے کہ کام کرنے والا اگر خاموش رہے تو اس کی قوت عمل میں اضافہ ہوتا ہے اور معترضین کی بے عملی بے نقاب ہوجاتی ہے۔

محمد عبدالغفار

جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو (ہند)

دیوبند

مولانا انور صابری صاحب نے دستخطی مہم کے سلسلے میں اخبارات کو حسب ذیل بیان دیا ہے۔ "اب سے صدیوں پیشتر کتنا مبارک دن تھا وہ دن جب باشندگان ہند کے درمیان ربط و اتحاد کی جاویدان بنیاد قائم کرنے کے لئے زبان اردو عالم وجود میں آئی تھی۔

اس زبان نے اپنے دامن کی وسعتوں میں تمام دنیا کی زبانوں کا گنجینہ لطافت سمیٹا اور ساری نسل آدم کو محبت و اخلاص کی دعوت دینے میں فراخ حوصلگی کا سلیقہ مندانہ اظہار کیا کسقدر نا سمجھہ ہیں وہ لوگ جو اس خالص ہندوستانی زبان اور گہوارہ انسانیت و محبت زبان کے ساتھہ بیگانوں جیسا سلوک کر کے اپنی تاریخ میں غلط باب کا اضافہ کرنے کے لئے مورخ کو مجبور کرنا چاہتے ہیں۔ اور اپنے گھر کی دولت کو دوسروں کا سرمایہ بنا کر عبرت انگیز نقصان کو دعوت دے رہے ہیں کتنے اچھے ہیں وہ حضرات جو انسانیت وطن دوستی اور محبت کے نام پر عظمت اردو کے پرچم کو حقیقی خدمت و وطن کا باعث سمجھکر اونچا رکھنے کا عزم کر چکے ہیں۔ اور بشرط ضرورت نا مساعدہ حالات سے ٹکرا کر بھی اپنے ارادہ سے باز رہنا نہیں چاہتے۔ ہمارا فرض ہے کہ سب زبانوں کی ایک زبان اردو کو زندہ رکھنے کے لئے انجمن ترقی اردو کی دستخطی مہم کو کامیاب بنا کر حکومت وقت کو صحیح فرض شناسی کا راستہ دکھائیں اور سیکڑوں سال کے علمی سرمایہ کو تباہی سے بچانے کی جد و جہد میں

حصہ لیں۔ اردو جنگ کا نہیں صلح و محبت کا پیغام ہے۔ اس کی حمایت نفرت تشدد یا محبت شکن انداز سے نہیں ہونی چاہیئے۔ مجھے یقین ہے کہ وقت کا یہ اہم سوال بہت جلد اپنی اہمیت کا احساس کرائے گا اور وہ جواب حاصل کرے گا جس کی عمر کے لئے موت کا ذکر بھی فضول ہے۔

—:o:—

علاقائی زبان

مرادآباد

عبدالسلام گرلس اسکول مرادآباد میں اردو دوست خواتین اور کارکنوں کا ایک جلسہ ہوا۔ جس کی صدارت بیگم سلطانہ حیات اللہ انصاری نے کی۔ انہوں نے اپنی تقریر میں مرادآباد کی عورتوں کی عملی خدمات کو بہت سراہا۔ انہوں نے کہا کہ آپ لوگوں نے عورتوں کی آن رکھ لی صرف مرادآباد ہی ایک ایسی جگہ ہے جہاں عورتوں نے اس جد و جہد میں عملی حصہ لیا ہے اور صرف ایک مہینے کے عرصے میں کافی تعداد میں دستخط بھی حاصل کرے ہیں۔

بیگم سلطانہ نے کہا کہ اتر پردیش کے جن قصبوں شہروں میں کام نہیں ہو رہا ہے وہاں کے مردوں اور عورتوں دونوں کو مرادآباد کی خواتین سے سبق لینا چاہیئے۔ خاص کر مردوں کو غیرت آنا چاہیئے کہ وہ اس جد و جہد کے میدان میں اتنا بھی آگے نہیں بڑھے ہیں جتنا کہ مرادآباد کی عورتیں بڑھ گئی ہیں!

مرادآباد میں خواتین کی جو جماعت دستخطوں کی مہم میں کام کر رہی ہے۔ اس کی کارکن اعلیٰ بیگم افزا قریشی اور بیگم آرائش سعید ہیں۔ اس جلسے میں بیگم آرائش نے اپنی انجمن کی رپورٹ پیش کی جس میں بتلایا کہ ابھی ان کے پاس کارکنوں کی تعداد کافی نہیں ہے صرف ۲۰ عورتوں نے تھوڑے عرصے میں پانچ ہزار دستخط حاصل کرائے ہیں!

بیگم افزا قریشی نے عورتوں سے اپیل کی کہ ان کو کارکن بن کر جوش خروش سے اس کام میں حصہ لینا چاہیئے اور اپنی مادر اردو کی بقا کے لئے اپنے آرام اور راحت کو قربان کر دینا چاہیئے!

جلسہ ختم ہونے پر انجمن بقائے ادب کے عہدہ داروں نے بیگم سلطانہ سے ملاقات کی اور گفت و شنید کے بعد یہ طے پایا کہ خواتین کی انجمن اور انجمن بقائے ادب مرادآباد کے حلقوں کو آپس میں تقسیم کر لیں گے اور دونوں نے مرادآباد کا کوٹہ پچاس ہزار مقرر کیا۔ جن میں بیس ہزار دستخط حاصل کئے جا چکے ہیں!

حیات اجمل

(مولفہ قاضی عبدالغفار تقطیع بڑی ضخامت ۳۰۴ صفحات، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد ۸ روپیہ پتہ انجمن ترقی اردو ہند علی گڈھ)

انجمن اس تازہ اشاعت پر معاصر محترم معارف (دارالمصنفین اعظم گڈھ) نے حسب ذیل الفاظ میں تبصرہ کیا ہے:۔

حکیم اجمل خاں مرحوم جیسی جامع کمالات شخصیتیں اس زمانہ میں کم پیدا ہوتی ہیں آن کے اوصاف اور کارنامے گوناگوں ہیں، ان کی پوری زندگی ملک و ملت اور قوم و وطن کی خدمت میں گذری، فن طب کے تو وہ ماہر و مجدد ہی تھے، **طبی کانفرنس طبیہ کالج** اور **ہندوستانی دواخانہ** قایم کر کے انہوں نے **ہندوستان** میں طب یونانی کی گرتی ہوئی عمارت سنبھال لی، اور اپنی حذاقت سے مخالفین تک سے اس کا لوہا منوالیا، اس کے علاوہ لیگ، کانگریس، تحریک خلافت، ترک موالات، علی گڈھ کالج، مسلم یونیورسٹی، ندوۃ العلماء وغیرہ خاص مسلمانوں اور ہندو مسلمانوں کی متحدہ جس قدر قومی، سیاسی اور تعلیمی و علمی تحریکیں ہوئیں، ان سب میں ان کا نمایاں حصہ رہا، **ہندوستان** کی آزادی کی تحریک میں ان کی جدوجہد سب کو معلوم ہے، وہ ہندو مسلم اتحاد کا عملی نمونہ تھے، اور شروع سے آخر تک کانگریس کے ساتھ رہے، ان کی سیاسی بصیرت اتنی گہری، اور ان کی شخصیت اتنی باوقار تھی کہ آن کی زندگی میں **گاندھی** آن کے مشورہ کے بغیر کوئی قدم نہ اٹھاتے تھے، مرحوم کی زندگی ہی میں فرقہ وارانہ مسائل اور **کانگریس** میں اختلاف و انتشار پیدا ہو گیا تھا، اور بڑے بڑے لوگوں کے قدم ڈگمگا گئے تھے، مگر اس کوہ وقار کے پائے ثبات میں کوئی لغزش نہیں آئی، قومی و سیاسی کارناموں کے علاوہ ذاتی حیثیت سے مرحوم بڑے اوصاف و خصوصیات کے حامل تھے، فن طب میں حذاقت کے ساتھ عام علمی حیثیت سے ایک فاضل شخص تھے، عربی و فارسی دونوں زبانوں میں پوری دستگاہ حاصل تھی، انگریزی سے بھی کچھ واقف تھے، مطالعہ نہایت وسیع تھا، فارسی اور آردو کے شاعر بھی تھے، اخلاقی حیثیت سے وہ انسانیت شرافت کا پیکر اور پرانی مشرقی تہذیب کی وضعداری کا نمونہ تھے، ان کے اخلاق و شرافت کے ایسے ایسے واقعات ہیں کہ آج کی تجارتی اور خود غرضی کی دنیا میں آن کا یقین کرنا مشکل ہے، انہوں نے بڑی دولت پیدا کی، اور اس کا بڑا حصہ قوم و ملک کی راہ میں صرف کر دیا، **ہندوستانی دواخانہ** کی لاکھوں روپیہ سالانہ کی ذاتی آمدنی **طبیہ کالج** پر وقف کر دی تھی ان کے اوصاف و کمالات کی تفصیل نہ مقصود ہے۔ اور نہ اسکا یہ محل ہے، ایسی جامع کمالات شخصیت کی سوانحعمری کی بڑی ضرورت تھی، اس فرض کو مرحوم کے پرانے رفیق انیس خلوت و جلوت اور آردو زبان کے کہنہ مشق ادیب شہیر قاضی **عبدالغفار** صاحب نے ادا کیا جن سے زیادہ موزوں اس کام کے لئے دوسرا شخص نہیں ہو سکتا تھا۔ آنہوں نے یہہ کتاب لکھکر قومی فرض اور حق رفاقت دونوں کو ادا کر دیا، اور اپنے زور قلم سے **حکیم صاحب** مرحوم کے کارناموں اور آن کے اخلاق و سیرت کا نہایت دلکش مرقع تیار کر دیا ہے **حکیم صاحب** کی پوری زندگی قومی و ملی کاموں میں گذری ہے، اس لئے آن کی سوانح عمری میں بیسویں صدی کے ابتدائی ۲۰، ۲۵ سال کی ہندوستان کی پوری سیاسی تاریخ، اس کی آزادی کی جدوجہد اس کے ہندو جز و اور مسلمانوں کی علمی و تعلیمی و مذہبی تحریکوں کی پوری سرگذشت آگئی ہے، مصنف کے حسن انشاء نے کتاب کے حسن و دلکشی میں اور زیادہ اضافہ کر دیا ہے، یہہ کتاب مختلف حیثیتوں سے ہر محب وطن ہندوستان کے مطالعہ کے لائق ہے، **ہندوستان** کی آزادی کے بعد سے اس کی سیاست نے ایک نیا رخ اختیار کیا ہے، اور جنگ آزادی کے مسلمان مجاہدین، بلکہ ہراول دستوں کا نام بھی کہیں آنے نہیں پاتا، اور ان کو **ہندوستان** کی آزادی کی تاریخ سے مٹانے کی کوشش کی جا رہی ہے، مگر ان کے کارنامے ناقابل فراموش ہیں کسی کے مٹانے سے مٹ نہیں سکتے۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما